© rasailojaraid.com

ایمان بالغیب اور جدید سائنس

تحریر: محمود مرزا جہلمی
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے مسلم"، جہلم

قرآن مجید میں متقین کی اولین نشانی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب پر ایمان لانا گویا مؤمنین کی صفتِ اعظم ہے۔ یہاں سے ہی یہ بات گھڑ لی گئی کہ ایمان باللہ مع دیگر صفاتِ ایمان میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بھول ہے جس کا شکار صرف سیکولر اہل علم ہی نہیں ہوئے بلکہ خود نیک دل اور سادہ لوح مسلمانوں کی معتد بہ اکثریت عقل کو اسلام کی ضد سمجھ بیٹھی۔ اس بھول کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ عقل کو خارج از اسلام وایمان کہنا، دراصل یہ کہنے کے مترادف ہے کہ اسلام وایمان کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے اور اس پر ایمان لانا محض ایک مجبوری ہے بے شک عقل اسے تسلیم نہ کرے۔

ہمارے ایمان کے سارے خصائص غیر مرئی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتب (وحی) انبیائے کرام (صاحبانِ وحی) معاد سب ایسے مطالباتِ ایمان ہیں جو ہم بغیر دیکھے ہی مانتے ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مطالباتِ ایمان ماننے کیلئے ہمیں بے عقل یا بے شعور ہونا پڑے گا۔ انبیائے کرام، اپنے اپنے ادوار میں، اپنے اپنے معاشروں میں شخصی حیثیت میں بڑے محترم ومؤقر تھے۔ ہمارے نبی ﷺ اعلانِ نبوت سے پہلے ہی اہلِ مکہ میں صادق وامین مانے جا چکے تھے اور پہاڑی کے اولین وعظ میں جب آپؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اپنی اسی صداقت وامانت کی دلیل پر ثابت کیا کہ آپؐ جن لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، ان میں اپنی شخصی حیثیت میں مسلمہ طور پر محترم ومؤقر تھے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران حجرِ اسود کی تنصیب کے سلسلے میں جو نزاع پیدا ہوئی اور تلواریں بے نیام ہوئیں اور اس خون ریزی کو روکنے کیلئے معاملہ اگلے دن مسجدِ حرام میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو ثالث مان لینے پر طے ہوا اور جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام داخلِ کعبہ ہونے والے شخص کے طور پر سامنے آئے تو قبائلِ عرب کی مسرت وشادمانی قابلِ دید تھی۔ کیونکہ انہیں آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور سب سے بڑھ کر غیر جانبدارانہ ثالثی اور زبردست قوتِ فیصلہ پر بھرپور اعتماد تھا۔ پھر جس حسنِ تدبیر سے آپؐ نے یہ پتھر نصب کرایا، اسے دیکھ کر تو تمام متحارب گروہ دنگ رہ گئے اور ان پر آپ ﷺ کے حسنِ فیصلہ کی دھاک بیٹھ گئی۔

یہ مثال میں نے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اپنی شخصی حیثیت میں اپنی سوسائٹی یا قوم وقبیلہ میں مسلمہ طور پر محترم تھے۔ لوگ ان کے کردار کی خوبی کے معترف تھے اور عقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلیم ہی نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی مسلمہ طور پر صادق اور امین اور محترم و مؤقر شخص ایک دن اچانک اٹھ کر کوئی جھوٹا دعویٰ کر ڈالے اور عقل کا ہی یہ فیصلہ تھا کہ یہ دعویٰ کرنے کے نتیجے میں مدعی کو کوئی ذاتی فائدہ نہ ہونے والا تھا بلکہ اس دعویٰ کے بعد اسے نہایت صبر آزما حالات اور کٹھن مہمات کا سامنا کرنا تھا۔ سو عقل فوراً تسلیم کرتی ہے کہ اس مسلمہ طور پر صادق، امین، مدبر و معقول شخص پر یقیناً وحی اتری تھی اور اس کا دعوائے نبوت برحق تھا۔

تخلیق کائنات کا تصور اسلام میں بڑا واضح ہے۔ یہ نہایت قطعی انداز میں دوٹوک الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ اس کا خالق و مالک و مدبر اللہ تعالیٰ ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں تخلیقِ کائنات کے متعلق تمام جغرافیائی و سائنسی نظریات اور ڈارون کا نظریۂ ارتقاء سراسر غیر قطعی و ظنی و تخمینی ہے۔ اگر ہم ان تمام دلائل و نظریات کو من و عن قبول کر لیں تو بھی یہ سوال ہمیشہ کی طرح آج بھی جواب کا طالب ہے کہ نوامیس فطرت جو ان اسباب و علل کا باعث ہوئے وہ تو کائنات کے اندر کارفرما تھے مگر وہ خود کیسے عالم وجود میں آئے؟ اور اس سے پہلے یہ سوال بھی جواب کا طلبگار ہے کہ خود وہ کائنات کیسے قالبِ ہست میں آئی؟ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء غلط ہو یا صحیح اسے الگ رکھتے ہوئے ہم یہ غور کرتے ہیں کہ حیات جس کے ارتقاء پر یہ نظریہ قائم ہے، وہ کیسے اور کیونکر صورت پذیر ہوئی۔ ڈارون نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اگر دیا ہے تو وہ وہی ہے جو سائنسی اور جغرافیائی نظریہ میں بیان ہوا ہے:

''پتہ نہیں، کیسے مگر حیات عالم وجود میں آ گئی''۔ یہ جواب سراسر غیر عقلی و غیر منطقی ہے۔ جس نظریہ کی بنیاد ہی اتنی کمزور اور غیر یقینی ہے اس پر ڈارون کا اپنا نظریۂ ارتقاء قائم کرنا اس کے نتیجے میں آدم کی صورت کا عالم وجود میں آ جانا، بالکل ہی غیر عقلی دعویٰ ہے اس ساری تھیوری کا تانا بانا ایسے بے سروپا قیاسات و امکانات سے بنا لیا ہے جس پر کوئی عقلی یا نقلی شہادت نہیں پیش کی گئی اور نہ پیش کی جا سکتی تھی۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے قطعیت کے ساتھ حیات و ممات دونوں کو تخلیقِ الٰہیہ کہا ہے اور آدم علیہ السلام کو بتمام و کمال بغیر کسی ارتقائی عمل کے اس کی موجودہ صورت میں اللہ کی تخلیق کہا ہے۔ ان دونوں دعاوی کی صداقت پر قرآن نے کائنات اور نوامیس فطرت میں موجود و مشہود ہم آہنگی اور ہیئتِ انسانی میں اعضائے انسانی کے اندر پائے جانے والے زبردست قدرتی توافق کو بطور عقلی دلیل کے پیش کیا ہے۔ میں نے یہاں سائنسی، جغرافیائی اور قرآنی نظریات دربارۂ تخلیقِ کائنات اور آدم کی تفصیلات اس لئے بیان نہیں کی ہیں کہ اہلِ علم ان سے آگاہ ہیں۔ اب ہم اس نکتہ کی طرف آتے ہیں کہ یہ کائنات اور آدم کسی حادثہ یا ارتقاء کا اثر ہیں اور یہ سب کچھ آپ سے آپ ہی ہو گیا ہے یا یہ سب کچھ ایک خالق کی تخلیق ہے۔ میرا مدعا کسی دہریہ یا نیچری سے بحث نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمارے ایمان بالغیب کی بنیاد عقلی اور شعوری ہے۔ البتہ ایک جملہ ضرور لکھوں گا کہ مائی کا کوئی لعل ایسا ہے جو ایک لازب طین کو ہزار سال سے اپنے پاس رکھے ہو یعنی موروثی طور پر وہ تودہ طین اس کی فیملی میں چلا آ رہا ہو اور آج وہ انسان تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور کی بات ہے، خود بخود ایک گھگھو گھوڑا ہی بن گیا ہو۔ جب آپ سے ایک مٹی بھدا سا گھگھو گھوڑا نہیں بن گئی تو اسی مٹی سے آدم کیوں کر خود بخود پیدا ہو سکتا تھا؟

لہٰذا عقلی طور پر یہ نظریہ مردود ٹھہرتا ہے کہ کائنات یا آدم خود بخود ہی نیست سے ہست ہو گئے۔ دوسرا نظریہ کہ یہ سب کچھ کسی حادثے کی پیداوار تھا، تو یہ قیاس بھی بڑا ہی بودا ہے کیونکہ سائنس دان یا جغرافیہ دان جس حادثے کا ذکر کرتے ہیں اور جس کے نتیجے میں ان کے مطابق وہ نظامِ شمسی عالم وجود میں آ گیا کہ جس کا ایک حصہ ہماری زمین ہے جہاں حیات عالمِ وجود میں آئی، وہ حادثہ کائناتی خلا میں وقوع پذیر ہوا تھا مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ وہ حادثہ جس کائناتی خلا میں واقعہ ہوا تھا، وہ خود کہاں سے اور کیسے وجود میں آیا تھا؟ یوں ان کا سارا استدلال لغو اور بے معنی ہے جبکہ ہمارا ایمان بالغیب کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، مضبوط بنیاد پر استوار ہے اور بڑا معقول ہے کیونکہ کوئی چیز خود بخود نیست سے ہست کے قالب میں نہیں ڈھل سکتی۔ دنیا میں ایسی ذی روح مخلوقات موجود ہیں جو ہم بغیر کسی تولیدی ملاپ کے پیدا ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً گوبر کو کسی برتن میں ڈال کر کچھ عرصہ تک کسی غلیظ گڑھے میں دفن کر دیں تو اس میں خود بخود کئی قسم کا بکٹیریا پیدا ہو جاتا ہے۔ دہریہ لوگ اسے بڑی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ جرثومے واقعی حیات رکھتے ہیں لیکن یہ خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ ہم نے خود ایسے اسباب مہیا کیے تھے جن میں اس قسم کی ادنیٰ درجے کی مخلوق کو جنم دینے کی صلاحیت موجود تھی۔ دور کیوں جائیں، دہی جو ہم کثرت سے استعمال کرتے ہیں، وہ دراصل دودھ میں خمیر (جاگ) ڈال کر ہم خود تیار کرتے ہیں اور یہ خمیر (جاگ) دودھ میں بکٹیریا پیدا کر کے اسے دہی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اگر آپ اس دہی کو کسی صاف شفاف پلیٹ میں اچھی طرح پھیلا کر خوردبین کے ذریعے دیکھیں تو وہ جاندار بکٹیریا متحرک حالت میں نظر آ سکتا ہے۔ مگر یہ ہماری تخلیق نہیں ہیں کیونکہ ہم نے وہ اسباب استعمال کیے ہیں جو خالق نے ان کی تخلیق کیلئے مقرر کر رکھے ہیں۔ خالق نے دانہ گندم میں حیاتِ نو کی صلاحیت رکھی ہے مگر وہ بوری میں پڑے پڑے خود ہی کسی خاص موسم میں حیاتِ نو نہیں اختیار کر سکتا بلکہ اسے زمین میں دبانے کا عمل کرنا پڑتا ہے جو کاشتکار کرتا ہے اور دانہ گندم از سرِ نو نامیاتی حیات پاتا ہے اور یہ طریقہ کار خالق کا مقرر کردہ ہے جسے انسان نے اپنی تحقیق و تجربہ سے معلوم کیا لہٰذا حیاتیاتی جرثومے ان اسباب کے تحت حیات پاتے ہیں اور اس ماحولیاتی فضا میں زندہ رہتے ہیں جو خالق نے ان کی پیدائش اور بقا کیلئے سازگار کیے ہیں، یہ حیاتیاتی جرثومے ڈارون کی تھیوری آف ایوولیشن کے مطابق کروڑوں سال پر محیط ارتقائی منازل میں سے گزرتے رہے اور اپنی جُون (Specie) بدلتے رہے اور آخر کار بندر سے ترقی کر کے انسان بن گئے۔ ہم اس تھیوری پر صرف ایک عقلی سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ جرثومے تو آج بھی اسی طرح پیدا ہو رہے ہیں جس طرح ابتدائے آفرینش سے پیدا ہوتے آئے ہیں مگر ارتقا کی تھیوری اگر درست ہے تو وہ اب ان پر کیوں لاگو نہیں ہوتی اور کسی جنگل سے کوئی بندر ابتدائی دور کے وحشی انسان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روپ دھار کر ہماری مہذب دنیا میں کیوں در نہیں آتا؟

اب تک ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق الحمدللہ ابتدائے آفرینش کے متعلق سائنسی، جغرافیائی اور ڈارونش تھیوری کا رد کر دیا ہے کیونکہ یہ سراسر غیر عقلی نظریات ہیں اور کائنات میں کارکنانِ قضاء وقدر کی کارفرمائی کا اثر بتائے جاتے ہیں جبکہ ہم صرف اس سوال کا جواب ان علمائے جغرافیہ سے مانگتے ہیں کہ حیات کی ابتدا کو چھوڑیں صرف یہ بتائیں کہ خود کائنات اور کارکنانِ فطرت کیسے عالمِ وجود میں آ گئے؟ اور اس کا جواب دینے سے وہ تادم تحریر قاصر ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ آئندہ بھی عاجز ہی رہیں گے۔ اسی طرح اس غیر معقول نظریہ کا رد کرنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ ہمارا موجودہ نظامِ شمسی کسی خلائی حادثہ کا نتیجہ ہے کیونکہ حادثات کے نتیجے میں تخریب ہوا کرتی ہے نہ کہ ایک نہایت منظم ومربوط عالم جنم لیا کرتا ہے۔ زلزلہ سب سے بڑا زمینی حادثہ شمار ہوتا ہے اور حادثہ کے نتیجے میں اگر خلا میں ایک نظام شمسی جنم لے سکتا تھا تو اسی قیاس پر ہم امید کر سکتے ہیں کہ زلازل کے نتیجے میں تحت الثریٰ سے کوئی نیا عالم منصۂ شہود پر آ سکتا ہے۔ مگر اب تک ایسا نہیں ہوا۔ آپ نے زلزلے کے نتیجے میں کوئٹہ کو بارہا اور اب مظفر آباد اور بالاکوٹ کو تباہی سے دوچار ہوتے دیکھا ہے۔ ان زلازل کے نتیجے میں برپا ہونے والی تباہی اور قعرِ زمین میں دفن ہو جانے والی آبادیاں ہڑپہ اور موئن جوڈارو کی صورت میں موجود ہیں۔ مگر ان حادثات عظیمہ کے نتیجے میں ایک نئے عالم نے آج تک جنم نہیں لیا۔ اس لئے عقل اس بات کو تسلیم کر ہی نہیں سکتی کہ ہمارا نظامِ شمسی جس کا ایک حصہ ہماری زمین ہے، کسی بھٹکے ہوئے سیارے کے سورج کی طرف بڑھنے، اس کے نتیجے میں سطح آفتاب پر کوئی کوہ پیکر مہیب لہر اٹھنے، پھر سورج سے ٹکرا جانے کے بغیر اس آوارہ سیارے کے کسی اور طرف نکل جانے مگر اس کی کشش سے اس لہر کے ٹوٹ جانے اور اس کے ٹکڑوں کا سورج سے مختلف فاصلوں پر گھومتے رہنے کا عمل شروع ہو گیا، اگر یہ حادثہ واقعی کبھی ظہور پذیر ہوا ہو گا تو ان جغرافیہ دانوں میں سے کون اس کا شاہد ہے اور چونکہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی شہادت ریکارڈ پر موجود نہیں ہے، اس لئے یہ بے ہودہ نظریہ قابلِ استرداد ہے۔

کوئی بھی ہوش مند انسان سورج یا دیگر موجوداتِ عالم کا انکار نہیں کرتا کیونکہ وہ نظر آتے ہیں اور ظاہر کا انکار ہو ہی نہیں سکتا مگر ان سب کا خالق چونکہ پوشیدہ ومستور ہے اس لئے دہریہ لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں جبکہ ہم اس اَن دیکھے خالق پر ایمان لاتے ہیں۔ خالق اسی ایمان بالغیب کا ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ ظاہر یعنی موجوداتِ عالم کا اقرار کوئی حیثیت نہیں رکھتا جبکہ خالقِ مستور پر ایمان لانا بڑا ہی قابلِ قدر ہے، اور یہی مومنین ومتقین کی اولین صفت اور پہچان قرآن نے بیان کی ہے۔ مگر یہ تقاضائے ایمان بالغیب پورا کرنا ''طوعاً وکرہاً'' نہیں ہے بلکہ پورے شعور اور عقلی تقاضوں کے تحت ہے۔ ہماری عقل کہتی ہے، ہمارا شعور کہتا ہے کہ جب سے یہ دنیا معرض وجود میں آئی ہے، ہمارے اسلاف میں سے کسی نے اور خود ہم نے کوئی چیز خود بخود تیار ہوتی نہیں دیکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوہا صدیوں پڑا رہے مگر چھری یا تلوار پڑے پڑے ہی نہیں بن جاتا تو یہ اتنا مربوط، منظم اور زبردست عالم خود بخود کیونکر بن گیا۔ پھر اس میں خود بخود حیات پیدا ہوگئی، عقل کہتی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یقیناً جس طرح لوہار نے لوہے کو گرم کرکے اور کوٹ کر تلوار یا کلہاڑی کی شکل دی ہے، ٹھیک اسی طرح کسی زبردست کاریگر نے نہایت سوچ سمجھ کر یہ عالم بنایا اور پھر اسے آباد کیا۔ اس کاریگر نے اپنے تئیں اسی لئے مصور بھی کہا ہے۔ رہا یہ کہ وہ پس پردہ رہ کر ہم سے اپنا وجود کیوں منوانا چاہتا ہے تو اسی کا نام عقل کا امتحان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اسے دیکھے بغیر اپنی عقل کے فیصلے کے تحت مانیں۔ ہمارا شعور کہے کہ واقعی اس عالم کا کوئی خالق ہونا چاہیے اور ہے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ جب وہ ہم سے اس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے تو اسے معلوم ہے کہ اس نے ہمارے اندر عقل کے نام سے ایک ایسی استعداد رکھ دی ہوئی ہے کہ اگر ہم اس سے کام لیں گے تو نہایت آسانی سے اس کے وجود کے قائل ہو جائیں گے۔ یہ استعداد منکرین اور مومنین میں یکساں طور پر رکھ دی گئی ہے۔ ابوجہل وابولہب اور ابوہریرہؓ وابوذر غفاریؓ میں یکساں طور پر موجود تھی مگر ہر کسی نے اس استعداد سے جس طرح کام لیا اور فیصلہ کیا وہ مختلف تھا۔ یہی وہ آزادی ہے جو اسلام ہدایت وگمراہی میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سلسلے میں دیتا ہے۔ وہ ہدایت وضلالت کی دونوں راہیں دکھا کر لوگوں کو اپنی عقل سے کام لینے اور اس کی دعوت کو قبول یا مسترد کر دینے کی آزادی دیتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ انسان کے اندر قبولِ حق کی لیاقت، استردادِ حق کی لیاقت سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حق کو ٹھکرا دیتے ہیں، قرآن انہیں اندھے، بہرے اور گونگے کہتا ہے۔ انہیں بے عقل اور بے شعور کہتا ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردے، کانوں میں ڈاٹ اور دلوں پر مہریں، جیسی مثالیں دے کر کہتا ہے کہ یہ کتنے بے عقل اور بے شعور لوگ ہیں جو عقل کے طاقتور اور غالب تقاضے کے تحت قبولِ حق کرنے کے بجائے عقل کے کمزور تقاضے اور ادنیٰ لیاقت کے تحت اسے مسترد کر بیٹھے۔ پھر یہ بات بھی ہمارے اس موقف کی تائید کرتی ہے کہ اسلام کی دعوت الی الحق کو ٹھکرا دینے کے نتیجے میں دنیوی ذلت اور اخروی سزا مقرر ہی اس لئے کی گئی ہے کہ دعوت کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کی جو آزادی انہیں دی گئی تھی اور جس عقل وشعور کے تحت انہیں اس آزادی کا استعمال کرنا تھا، اس کا غالب تقاضا مسترد کر کے انہوں نے گمراہی کو سینے سے لگایا تھا۔ آزادی دینے والے نے، اس آزادی کے تحت انسان کی عقل کے اندر یہ قوت اور ملکہ زیادہ رکھا تھا کہ وہ اپنے معطی کی دعوتِ حق کو قبول کرے لیکن جب وہ قوتِ عقلیہ کے غالب تقاضا کو بروئے کار نہیں لاتا اور دعوت کو مسترد کر دیتا ہے تو اس پر اسے سزا ملے گی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی اور عقل کو حق یا باطل کے قبول کرنے یا مسترد کر دینے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مساوی لیاقت حاصل ہوتی ہے تو پھر سزا و جزا کا عقیدہ باطل ہو جاتا۔ منکرین کے پاس یہ جواز ہوتا کہ جب عقل کو قبول حق یا استردادِ حق کی برابر لیاقت حاصل تھی اور انہیں اپنی عقل کے تحت فیصلہ کرنے کی آزادی تھی تو پھر مساوی امکانات میں سے انہوں نے ایک امکان، اِدھر یا اُدھر کا فیصلہ کیا تو پھر سزا کیوں؟ یوں حقیقت یہی ہے کہ قوتِ عقلیہ کے اندر یہ لیاقت زیادہ رکھی گئی ہے کہ وہ دعوتِ حق کے حق میں فیصلہ کرے اور اسے قبول کرے۔

جب ایک بار وجود باری تعالیٰ کو عقل کے تحت تسلیم کر لیا جائے تو اگلی راہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ کیونکہ عقل کو یہ ماننے میں کوئی مشکل باقی نہیں۔ رہتی کہ اسی خالق کو زیبا تھا کہ وہ انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ بھی بتائے۔ اسی طریقے کا نام اسلام ہے۔ پھر عقل فوراً کہتی ہے کہ وہ خالق ہے اور مخلوق کو وہ زندگی گزار کر دکھا نہیں سکتا تھا جو وہ انسان سے تقاضا کرتا ہے، اس لئے اپنے اسلام پر چلنے کیلئے اس نے انبیاء بھیجے جو انہیں ان راہوں پر چل کر دکھائیں جو خالق کو پسند ہیں۔ پھر عقل فوراً مان لیتی ہے کہ یہ ہدایت یقیناً ان انبیاء پر اس نے اتاری ہوگی جو کتابوں کی صورت میں محفوظ ہے۔ پھر عقل فوراً مان لیتی ہے کہ وہ خالق و مالک و رازق اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ یہی شکر اس کی عبادت ہے۔ پھر عقل فوراً کہتی ہے کہ اس خالق و مالک کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے۔ پھر عقل فوراً مان جاتی ہے کہ جس خالق نے انسان کو دنیا میں اختیار اور آزادی عمل کے ساتھ بھیجا ہے، یقیناً وہ آخر ایک دن اس سے اس اختیار اور آزادی عمل کا حساب بھی لے گا۔ یوں ایمان بالغیب کے سارے تقاضے اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، تمام انبیاء پر ایمان اور قیامت پر ایمان ہماری عقل ہی کے تقاضے بن جاتے ہیں۔ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر پائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے آجائیں تو پھر کون ہوتا جو ان کا انکار کرتا اور حضرت ابوبکرؓ و ابو جہل کیسے جنم لیتے؟

آپ اپنے کسی نوکر یا بچے کو رقم دے کر بازار بھیجتے ہیں اور واپسی پر اس سے حساب مانگتے ہیں۔ ایک معلم طلبا کو تعلیم دیتا ہے اور سال بعد ان کا امتحان لیتا ہے اور انہیں کامیاب یا ناکام قرار دیتا ہے۔ اب عقل سے پوچھیں کہ نوکر یا بچے سے حساب مانگنا چاہیے تھا یا نہیں۔ عقل کہتی ہے ضرور مانگنا چاہیے تھا اسی طرح کہتی ہے معلم کو امتحان لینا چاہیے تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ﴿الذی خلق الموت و الحیوٰة لیبلوکم أیکم أحسن عملاً﴾ [الملک:۲] ''موت وحیات اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جانچا جا سکے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے''۔ ان اعمال کے حسن و قبح پر ہی عاقبت کی جزا وسزا کا اعلان ہوگا۔ حساب لینے کا دن قیامت اور حشر ہے۔ عقل کہتی ہے یہ دن ضرور آنے والا ہے۔ ہم بچے ہیں یا طالب علم، جو کچھ بھی ہیں ہم سے ہماری آزادی عمل کا حساب لیا جانا، عقلی تقاضا ہے لہٰذا عاقبت، حشر، معاد وغیرہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے عقائد سراسر عقلی اور مضبوط منطقی دلائل پر استوار ہیں۔ جو لوگ ان کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل پرلے درجے کے بے وقوف اور عقل و شعور سے پیدل ہیں۔ آپ کہیں گے ان عقائد کے منکرین بھی تو کوئی چھوٹے آدمی نہ تھے۔ جاہل نہ تھے۔ بے عقل نہ تھے کیونکہ انہوں نے ان عقائد کو مسترد کرنے کیلئے بڑے زور کے دلائل پیش کیے ہیں۔ واقعی ابوجہل، عرب کا ابوالحکم تھا۔ عرب کے اُن پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتا تھا، جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ اسی طرح ہر دور کے دہریہ اور نیچری مثلاً کارل مارکس، بلگانن، سٹالن اور برٹرینڈ رسل بڑے بڑے دانش ور تھے، پھر انہوں نے ایمان بالغیب کے عقلی دلائل کیوں اور کیسے مسترد کردیئے؟ روس کا صدر آنجہانی خروشچیف بڑا زبان دراز تھا۔ خلا کی تسخیر کے موقع پر یوں گویا ہوا: ''ہمارے خلا بازوں کو مسلمانوں کا الہ خلا میں کہیں نہیں ملا؟'' یہ وہی تقاضا ہے جو ایک طفل مکتب اپنے جغرافیہ کے استاد سے اس وقت کرتا ہے جب وہ یہ پڑھاتا ہے کہ اس دریا کا منبع سینکڑوں میل اوپر فلاں فلاں چشمے اور فلاں فلاں گلیشیئر میں ہے۔ بتائیں عقل مانتی ہے یا نہیں کہ جو کچھ استاد پڑھا رہا ہے، ٹھیک پڑھا رہا ہے مگر طفلِ نادان کہتا ہے، وہ اس وقت مانے گا، جب استاد اسے وہ چشمہ اور گلیشیئر دکھائے گا۔ خیر، یہ تو آسان ہے کہ بچے کو وہ چشمہ یا گلیشیئر دکھا دیا جائے اور جب دکھا دیا جائے گا تو اس کے پاس وجہ انکار کوئی نہ ہوگی۔ پس یہ سارے دہریہ اور نیچری دانشور کہلا کر بھی طفل ناداں کی طرح عقل کی بات نہیں مانتے اور کہتے ہیں سرچشمہ یا منبع ہمیں دکھادو اور اگر انہیں یہ دکھا دیا جائے، اور ایک وقت آئے گا کہ ایمان بالغیب کے سارے عقائد مادی شکل میں ان کے سامنے آجائیں گے تب وہ انکار نہ کریں گے مگر اس وقت یہ ماننا ان کے کسی کام نہ آئے گا کیونکہ انہوں نے عقل کے فیصلے کے تحت ان دیکھے خالق کو تسلیم نہ کیا تھا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایمان بالغیب کو قبول کر لینے کا عقلی تقاضا جو ہم نے پورا کیا ہے، اگر باطل نکلے تو بھی عقل کہتی ہے کہ اس کا مان لینا ہی بہتر تھا کیونکہ اس کے قبول کر لینے کی صورت میں ہم دنیا کے میدان میں، اس عقیدہ کے منکرین سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں رہے۔ سوائے چند پابندیوں کے باقی دنیا کا سارا موج میلہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ چند مسکرات و منکرات کو چھوڑ کر دنیوی لذات سے ہم بھی متمتع ہوئے۔ فتوحات ہم نے بھی پائی ہیں۔ حکمرانی و سلطنتیں ہم نے بھی پائی ہیں۔ چند عقائد باطلہ کے سوا، ہمارے ایمان بالغیب نے ہم سے کچھ نہیں چھڑایا۔ توحید کا درس دے کر ہمیں اپنے ہی جیسے انسانوں کے سامنے سجدہ کرنے کی ذلت سے بچایا۔ اب ایمان بالغیب لانے والے اور اس کے منکر دونوں جہانِ فانی سے کوچ کر گئے اور ہمارا ایمان بالغیب کا عقیدہ درست نکلا تو ہم جنت میں جائیں گے اور منکرین دوزخ میں رہیں گے اور اگر باطل نکلا تو ہم اور وہ دونوں قبروں میں پڑے پڑے خاک میں مل کر خاک ہو جائیں گے اور ہمارا کچھ نہ بگڑے گا۔ پس عقل کہتی ہے مان لینا نہ ماننے سے بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com